پاکستانی اور سعودی دساتیر اور نظامہائے عدل کا تقابلی جائزہ

مولانا ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی ــ مدیر اعلیٰ 'محدث'

۱۲، ۱۳ر مئی ۲۰۱۷ء کو انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کے زیر اہتمام **نظام القضاء في الدّول الإسلامية** (النظرية والتطبيق) کے عنوان سے بین الاقوامی کانفرنس کے مرکزی مباحث میں تشریع الأحكام القضائية في الإسلام (المصادر التي يجب أن يعتمد عليها القاضي في إصدار أحكامه) کے تحت درج ذیل مقالہ پیش کیا گیا، جس کے تحت پاکستان اور سعودی عرب کے عدالتی نظام کی قانونی حدود کے لئے پہلے دونوں دساتیر کا جائزہ لیا گیا اور دونوں دساتیر کی الگ الگ اسلامی خصوصیات کا ذکر کر کے چند تقابلی نکات بھی پیش کئے گئے ہیں جس کے بعد دونوں اسلامی ممالک کے نظام القضاء کی چند خصوصیات کا ذکر اور تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

(حصہ اوّل: پاکستانی اور سعودی دساتیر کی اسلامی خصوصیات کا تجزیہ)

کسی بھی ملک میں جاری قانونی نظام کے دو اہم پہلو ہیں:

ایک پہلو تو دستوری اور بنیادی قانون کے حوالے سے ہوتا ہے کہ اس میں اُصولی طور پر کیا کیا ضوابط قائم کئے گئے ہیں، یہ دستور یا نظام الحکم Constitution کہلاتا ہے۔ جبکہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس دستور و قانون یا انصاف کے حصول کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے گا، جس میں قاضی کون ہوں گے؟ کس طرح نظام قضا چلے گا، اور فیصلہ کس طرح ہو گا، اگر کسی فیصلہ میں کوئی کوتاہی رہ گئی ہو تو نظر ثانی یا اپیل کا طریقہ کار کیا ہو گا؟ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ اس کو نظام القضاء Judicial Systems کہا جاتا ہے۔

اس وقت ۱۹۷۳ء میں منظور ہونے والا پاکستانی دستور ملک میں نافذ العمل ہے، جس میں اب تک ۲۸ ترامیم بھی ہو چکی ہیں، یہ دستور ۲۸۰ دفعات پر مشتمل ہے۔ جبکہ سعودی عرب میں نافذ العمل نظام الحکم (دستور) یکم مارچ ۱۹۹۳ء کو نافذ کیا گیا، جس کے سات حصوں میں ۸۰ دفعات ہیں، اس کے ساتھ ہی مجلس شوریٰ کا نظام

بھی قائم کیا گیا جس کی ۳۴ دفعات ہیں۔ ذیل میں ہر دو دساتیر کی اسلامی دفعات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

پاکستانی دستور کی اسلامی دفعات

واضح رہے کہ پاکستانی نظام میں ایک قانون تو وہ ہے جو پارلیمنٹ کے ذریعے منظور ہوتا ہے، اور دوسرا قانون کا وہ حصہ ہے جسے شرعی عدالت یا دیگر عدالتیں اصل قانون کی وضاحت کرتے ہوئے متعین کرتی ہیں۔ ان ہر دو بنیادوں پر پاکستان کے مرکزی اور ذیلی قوانین میں اسلامی دفعات کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

① قرار داد مقاصد (Objective Resolution) ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے منظور کی تھی جو دستور کا دیباچہ ہی رہی، تاہم ۱۹۷۷ء کے انقلاب کے بعد پاکستانی دستور کے آرٹیکل 2 کے بعد 2A کا اضافہ کر کے قرار داد مقاصد کو آئین کا لازمی حصہ مارچ ۱۹۸۵ء میں بنایا گیا تھا۔[1] لیکن پاکستان کی سپریم کورٹ کے پانچ ججوں پر مشتمل فل بینچ نے جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ کی سربراہی میں زیر سماعت مقدمہ حاکم خان وغیرہ بنام حکومت پاکستان میں بتاریخ ۱۹ جولائی ۱۹۹۲ء فیصلہ کیا کہ آرٹیکل 2A کو دستور کے باقی آرٹیکل پر کوئی بالادستی حاصل نہیں ہے۔ اس لیے پارلیمنٹ ہی دیگر آرٹیکلز میں ترمیم کر کے تضادات ختم کر سکتی ہے۔[2]

قرار داد مقاصد کے اہم نکات ملاحظہ ہوں:

☆ ”اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے۔ اس نے جمہور کے ذریعے مملکتِ پاکستان کو جو اختیار سونپا ہے، وہ اس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔

☆ مجلس دستور ساز نے جو جمہور پاکستان کی نمائندہ ہے، آزاد و خود مختار پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس کی رو سے مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔

☆ اسلام کے جمہوریت، حریّت، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اُصولوں کا پورا اتباع کیا جائے گا۔

---

۱ 'قرار داد مقاصد بنام سپریم کورٹ آف پاکستان کا تجزیہ' منجانب سردار شیر عالم خان (ایڈووکیٹ)، مترجم چوہدری محمد یوسف (ایڈووکیٹ)، الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، اشاعت اول، ۱۹۹۴ء

۲ PLD 1992, Supreme Court 595 اور 'قرار داد مقاصد بنام سپریم کورٹ آف پاکستان کا تجزیہ' منجانب سردار شیر عالم خان (ایڈووکیٹ)، مترجم چوہدری محمد یوسف (ایڈووکیٹ)، الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، ۱۹۹۴ء

☆ مسلمانوں کو اس قابل بنا دیا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن و سنت میں درج اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔"

پاکستان کے دستور ۱۹۷۳ء میں جو مزید دفعات اسلامی کہی جاتی ہیں، ان کا مختصر ذکر یوں ہے:

② آرٹیکل ۲۹ سے ۴۰ تک جو پالیسی کے اصول ہیں، وہ بھی اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ پر مبنی ہیں اگرچہ آرٹیکل ۳۰ کی شق ۲ میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ انہیں کسی عدالت میں قانونی لزوم کے طور پر چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم قومی زبان اردو کے بارے میں سپریم کورٹ نے حال ہی میں آرٹیکل ۲۵۱ کے تحت اہم فیصلہ کیا ہے جسے نافذ کرنے کے لیے وزیر اعلیٰ پنجاب نے نوٹیفکیشن کر دیا ہے۔

③ مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱ء

④ قادیانی غیر مسلم اقلیت ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء

⑤ ہائیکورٹوں میں شریعت بنچ ۱۹۷۹ء[1]

⑥ بدکاری کا انسداد ۱۹۶۲ء

⑦ حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء

⑧ سود کا خاتمہ... ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے سلسلے میں

⑨ وفاقی شرعی عدالت کا قیام... ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء

⑩ زکوٰۃ و عشر آرڈیننس... ۲۰ جون ۱۹۸۰ء

⑪ نفاذِ شریعت آرڈیننس ۱۵ جون ۱۹۸۸ء

⑫ حق شفعہ کے قانون کی بیشتر دفعات جو سپریم کورٹ آف پاکستان (شریعت اپلیٹ بنچ) کے فیصلہ ۱۹۸۶ء کی رو سے غیر اسلامی قرار پائیں۔

---

1 جنہیں بعد میں وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ (شریعت اپلیٹ بنچ) میں ڈھال دیا گیا۔ اگرچہ اس میں سے اہم قوانین بشمول آئین، پرسنل لاز، مالیاتی قوانین (۲۶ جون ۹۰ء تک) اور عدالتوں وغیرہ کے طریقہ کار سے متعلق ضابطہ کے قوانین کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ چونکہ اس غرض سے شرعی عدالت کے دائرہ کار کے بارے میں قانون کی تعریف (دستور کے باب ۳ر الف میں) یوں ہے:

۲۰۳ ب (ج) "قانون میں کوئی رسم یا رواج شامل ہے جو قانون کا اثر رکھتا ہو مگر اس میں دستور، مسلم شخصی قانون، کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق کوئی قانون یا اس بات کے آغازِ نفاذ سے دس سال کی مدت گزرنے تک کوئی مالی قانون یا محصولات یا فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل اور طریقہ سے متعلق کوئی قانون شامل نہیں ہے۔"

⑬ قصاص و دیت کے قانون کی ۵۶ دفعات (جون ۱۹۹۰ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان (شریعت اپلیٹ بنچ) نے قرآن و سنت کے احکام کے منافی قرار دیں۔ اس فیصلہ میں یہ اہم امر بھی شامل کیا کہ اگر متعینہ مدت تک نیا قانون نافذ نہ کیا گیا تو قرآن و سنت کے احکامات براہ راست نافذ ہوں گے۔

⑭ امتناعِ توہین رسالت کا قانون، ۳۰؍ اپریل ۱۹۹۱ء، شرعی عدالت کے فیصلے کی رو سے

⑮ بعض سودی قوانین جنہیں ۲۶ جون ۱۹۹۰ء کے بعد ۱۴؍ نومبر ۱۹۹۱ء کو وفاقی شرعی عدالت نے غیر اسلامی قرار دیا تھا۔ لیکن اب تک اپیلوں اور ریمانڈ وغیرہ کے ذریعے حکومت نے سودی قوانین کو شریعت سے محفوظ کر رکھا ہے۔[1]

سعودی عرب کے دستور (نظام الحکم) کی اسلامی دفعات

سعودی دستور کی براہ راست نفاذ شریعت کے بارے میں اہم دفعات کا متن مع ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

① المادة الأولىٰ: المملكة العربية السعودية دولة عربية إسلامية، ذات سيادة تامة، دينها الإسلام، ودستورها كتاب الله تعالى وسنة رسول الله، ولغتها هي اللغة العربية، وعاصمتها مدينة الرياض.

''آرٹیکل ۱: مملکتِ سعودی عرب مکمل طور پر خود مختار عرب اسلامی ملک ہے، اس کا دین 'اسلام'، دستور 'کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ'، زبان 'عربی' اور دارالحکومت 'الریاض' ہے۔''

② المادة السادسة: يبايع المواطنون الـمَلِك على كتاب الله تعالى وسنة رسوله، وعلى السمع والطاعة في العُسر واليسر والمنشط والمكره.

''آرٹیکل ۶: ملک کے تمام شہری بادشاہ کی، کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ پر، نیز تنگی و خوشحالی اور پسند و ناپسند، ہر صورت میں سمع و طاعت پر بیعت کریں گے۔''

③ المادة السابعة: يستمدّ الحكم في المملكة العربية السعودية سلطته من كتاب الله تعالىٰ وسنة رسوله، وهما الحاكمان على هذا النظام وجميع أنظمة الدولة.

---

۱ سپریم کورٹ آف پاکستان، (شریعت اپلیٹ بنچ) نے ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء کو اس فیصلہ کی توثیق کر دی۔ جسے حکومت کے لیے نافذ کرنے کی آخری میعاد ۳۰ جون ۲۰۰۲ء تھی۔ لیکن حکومت کی کوششوں سے شریعت اپلیٹ بنچ نے یہ فیصلہ ریمانڈ کر کے وفاقی شرعی عدالت کو واپس بھیج دیا۔ اسلامی بینکاری کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی کا اسی شمارے میں مطبوعہ مضمون

"آرٹیکل ۷: ملک میں حکومت کے جملہ اختیارات کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی بنا پر ہوں گے، اور ان دونوں (کتاب وسنت) کو اس نظامِ حکومت اور ملک میں رائج دیگر تمام نظاموں پر بالادستی اور برتری حاصل ہوگی۔"

④ المادة الثامنة: يقوم الحكم في المملكة العربية السعودية على أساس العدل والشورى والمساواة وفق الشريعة الإسلامية.

"آرٹیکل ۸: حکومت، شریعتِ اسلامی کے مطابق عدل وانصاف، شورائیت اور مساوات جیسے بنیادی اُصولوں پر قائم رہے گی۔"

⑤ المادة التاسعة: الأسرة هي نواة المجتمع السعودي، ويُربي أفرادها على أساس العقيدة الإسلامية وما تقتضيه من الولاء والطاعة لله ولرسوله ولأولي الأمر، واحترام النظام وتنفيذه وحبّ الوطن والاعتزاز به وبتاريخه المجيد.

"آرٹیکل ۹: سعودی معاشرے کی بنیاد 'خاندان' ہے جس کے افراد کی تربیت اسلامی عقیدے کی بنیاد پر کی جائے گی، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور اولوا الامر کی اطاعت وفرمانبرداری قبول کی جائے۔ اسی طرح حکومت کے نافذ کردہ نظاموں کا احترام، وطن کی عزت ومحبت اور اس کی شاندار تاریخ کی بنیاد پر کیا جائے۔"

⑥ المادة العاشرة: تحرص الدّولة على توثيق أواصر الأسرة، والحفاظ على قيمها العربية والإسلامية، ورعاية جميع أفرادها، وتوفير الظروف المناسبة لتنمية ملكاتهم وقدراتهم.

"آرٹیکل ۱۰: حکومت، خاندان کے مابین تعلق کو مضبوط بنانے، اس کی عربی اور اسلامی اقدار کی حفاظت کرنے، اس کے تمام افراد کی دیکھ بھال اور ان کی اہلیتوں اور صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور ان سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کے لیے مناسب ماحول مہیا کرنے میں انتہائی طور پر کوشاں رہے گی۔"

⑦ المادة الحادية عشرة: يقوم المجتمع السعودي على أساس من اعتصام أفراده بحبل الله، وتعاونهم على البر والتقوى، والتكافل فيما بينهم، وعدم تفرقهم.

"آرٹیکل ۱۱: سعودی معاشرے کا قیام اس اساس پر ہوگا کہ اس کے تمام افراد اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں، نیکی اور پرہیز گاری کے اُصولوں پر ایک دوسرے سے تعاون کریں، باہم ایک دوسرے

کا سہارا بنیں اور تفرقہ سے اجتناب کریں۔"

⑧ المادة الثانية عشرة: تعزيز الوحدة الوطنية واجب، وتمنع الدولة كل ما يؤدي للفرقة والفتنة والانقسام.

"آرٹیکل ۱۲: ملکی وحدت اور سالمیت کی حفاظت ہر سعودی شہری کا فرض ہے اور حکومت ہر ایسی کوشش سے روکے گی جو فرقہ بندی، فتنہ فساد اور انقسام پر منتج ہو۔"

⑨ المادة الثالثة عشرة: يهدف التعليم إلى غرس العقيدة الإسلامية في نفوس النشئ، وإكسابهم المعارف والمهارات، وتهيئتهم ليكونوا أعضاء نافعين في بناء مجتمعهم محبين لوطنهم معتزين بتاريخه.

"آرٹیکل ۱۳: نئی نسل کے دلوں میں اسلامی عقیدے کی ترکیز و آبیاری، اسے علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنے کے لیے امداد مہیا کرنا اور اس طرح تیار کرنا کہ وہ اپنے معاشرے کی تعمیر میں نفع بخش ثابت ہو، اپنے وطن سے محبت اور اپنی تاریخ پر فخر کرے، یہ تعلیم کے اہداف ہوں گے۔"

⑩ المادة السابعة عشرة: الملكية ورأس المال والعمل مقومات أساسية في الكيان الاقتصادي والاجتماعي، وهي حقوق خاصة تؤدي وظيفة اجتماعية وفق الشريعة الإسلامية.

"آرٹیکل ۱۷: ملکیت، سرمایہ اور محنت... ملک کے اقتصادی اور اجتماعی ڈھانچے کی بنیادیں ہیں۔ یہ خاص (انفرادی) حقوق ہیں جو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق اجتماعی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔"

⑪ المادة العشرون: لاتفرض الضرائب والرسوم إلا عند الحاجة، وعلى أساس من العدل، ولايجوز فرضها أو تعديلها أو إلغاؤها أو الإعفاء منها إلا بموجب النظام.

"آرٹیکل ۲۰: ٹیکس اور محصولات صرف ضرورت کے تحت اور منصفانہ بنیاد پر عائد کئے جائیں گے۔ ان کا عائد کرنا یا ان میں کوئی ترمیم، یا ان کو معاف کرنا صرف نظام کے مطابق عمل میں آئیں گے۔"

⑫ المادة الحادية والعشرون: تجبى الزكاة وتنفق في مصارفها الشرعية.

"آرٹیکل ۲۱: زکوۃ وصول کی جائے گی اور اسے اس کے شرعی مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔"

⑬ المادة الثالثة والعشرون: تحمي الدولة عقيدة الإسلامية وتطبق شريعته، وتأمر بالمعروف وتنهى عن المنكر، وتقوم بواجب الدعوة إلى الله.

”آرٹیکل ۲۳: حکومت، عقیدۂ اسلام کی حفاظت اور شریعتِ اسلامیہ کو نافذ کرے گی، اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے گی اور دعوت الی اللہ کا اہتمام کرے گی۔“

⑭ المادة الرابعة والعشرون: تقوم الدولة بإعمار الحرمين الشريفين وخدمتهما وتوفر الأمن والرعاية لقاصديهما، بما يمكن من أداء الحج والعمرة والزيارة بيُسرٍ وطمأنينة.

”آرٹیکل ۲۴: حکومت، حرمین شریفین کی تعمیر اور ان کی خدمت کا فرض پورا کرے گی، ان کی طرف قصد کرنے والوں کے لیے امن وسلامتی اور ان کی دیکھ بھال کو یقینی بنائے گی تاکہ حج وعمرہ اور زیارتِ (مسجدِ نبویؐ) آسانی اور اطمینان وسکون سے انجام پاسکیں۔“

⑮ المادة الخامسة والعشرون: تحرص الدولة على تحقيق آمال الأمة العربية والإسلامية في التضامن وتوحيد الكلمة وعلى تقوية علاقاتها بالدول الصديقة.

”آرٹیکل ۲۵: حکومت، عرب اور مسلم اُمت کے باہمی تعاون اور اتحاد کی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے انتہائی کوشاں رہے گی اور دوست ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات مستحکم کرے گی۔“

⑯ المادة السادسة والعشرون: تحمي الدولة حقوق الإنسان وفق الشريعة الإسلامية.

”آرٹیکل ۲۶: مملکت شریعتِ اسلامیہ کے مطابق حقوقِ انسانی کی حفاظت کرے گی۔“

⑰ المادة السابعة والعشرون: تكفل الدولة حق المواطن وأسرته في حالة الطوارئ والمرض والعجز والشيخوخة، وتدعم نظام الضمان الاجتماعي، وتشجع المؤسسات والأفراد على الإسهام في الأعمال الخيرية.

”آرٹیکل ۲۷: ہنگامی حالت، بیماری، معذوری اور بڑھاپے میں حکومت سعودی شہری اور اس کے خاندان کے حقوق کی کفالت، 'سوشل سیکورٹی' (تحفظِ عامہ) کے نظام کی مالی امداد اور فلاحی کاموں میں حصہ لینے والے اداروں اور افراد کی حوصلہ افزائی کرے گی۔“

⑱ المادة الثالثة والثلاثون: تنشيء الدولة القوات المسلحة وتجهزها، من أجل الدفاع عن العقيدة والحرمين الشريفين والمجتمع والوطن.

”آرٹیکل ۳۳: حکومت مسلح افواج بنائے گی اور اُنہیں عقیدۂ اسلامیہ، حرمین شریفین، معاشرے اور وطنِ عزیز کے دفاع کے لیے تیار کرے گی۔“

⑲ المادة الرابعة والثلاثون: الدفاع عن العقيدة الإسلامية والمجتمع والوطن واجب على

كل مواطن، ويبين النظام أحكام الخدمة العسكرية.

''آرٹیکل ۳۴: عقیدہ اسلامیہ، معاشرے اور وطن کا دفاع کرنا ملک کے ہر شہری پر لازم ہو گا۔ تاہم ایک الگ نظام فوجی خدمات کے دیگر اَحکام کو واضح کرے گا۔''

⑳ المادة الثامن والثلاثون: العقوبة شخصية ولا جريمة ولاعقوبة إلا بناء على نص شرعي، أو نص نظامي، ولا عقاب إلا على الأعمال اللاحقة للعمل بالنص النظامي

''آرٹیکل ۳۸: سزا فرد کا شخصی معاملہ ہے۔ کسی شرعی یا انتظامی خلاف ورزی کے بغیر کوئی فعل جرم قرار نہیں پائے گا، نہ اس پر سزا دی جاسکے گی اور سزا بھی اُسی فعل پر دی جائے گی جو اس کے متعلق جاری ہونے والے نظام کے بعد سرزَد ہو۔''

㉑ المادة الثالثة والأربعون: مجلس الملك ومجلس ولي العهد، مفتوحان لكل مواطن ولكل مَن له شكوىٰ أو مظلمة، ومن حق كل فرد مخاطبة السلطات العامة فيما يعرض له من الشؤون.

''آرٹیکل ۴۳: بادشاہ اور ولی عہد کے ایوان ہر شہری اور ہر اس شخص کے لیے کھلے ہیں جسے کوئی شکایت ہو یا جس کا حق سلب کیا گیا ہو۔ نیز ہر شہری کو اپنے معاملات کے سلسلے میں متعلقہ حکام سے رجوع کرنے کا حق ہو گا۔''

㉒ المادة الخامسة والأربعون: مصدر الإفتاء في المملكة العربية السعودية كتاب الله تعالىٰ وسنة رسول الله، ويبين النظام ترتيب هيئة كبار العلماء وإدارة البحوث العلمية والإفتاء واختصاصاتها.

''آرٹیکل ۴۵: مملکت میں فتویٰ دینے کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے۔ قانون کے ذریعے 'کبار علماء کونسل' اور 'ادارۂ بحوثِ علمیہ' کی ترتیب اور دونوں کے فرائض کو بیان کردیا جائے گا۔

㉓ المادة السادسة والأربعون: القضاء سلطة مستقلة ولا سلطان على القضاة في قضائهم لغير سلطان الشريعة الإسلامية.

''آرٹیکل ۴۶: 'عدلیہ' ایک آزاد اور بااختیار ادارہ ہو گا جس پر شریعتِ اسلامیہ کی بالادستی و برتری کے علاوہ اور کوئی بالادستی نہیں ہو گی۔''

㉔ المادة الثامنة والأربعون: تطبق المحاكم على القضايا المعروضة أمامها أحكام الشريعة

الإسلامية وفقًا لما دلّ عليه الكتاب والسنة، وما يصدره ولي الأمر من أنظمة لا تتعارض مع الكتاب والسنة.

آرٹیکل ۴۸: تمام عدالتیں پیش ہونے والے جملہ مقدمات میں شریعتِ اسلامیہ کے احکامات کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں گی جیسا کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔ نیز کسی بھی محکمے کا کوئی نگران نظام ہائے حکومت سے متعلقہ جو بھی حکم جاری کرے تو وہ کسی صورت کتاب وسنت سے متعارض نہ ہو۔“

⑳ المادة السابعة والستون: تختص السلطة التنظيمية بوضع الأنظمة واللوائح فيما يحقق المصلحة، أو يرفع المفسدة في شؤون الدولة وفقًا لقواعد الشريعة الإسلامية، وتمارس اختصاصاتها وفقًا لهذا النظام ونظامي مجلس الوزراء ومجلس الشوریٰ.

آرٹیکل ۶۷: انتظامیہ کو شریعتِ اسلامیہ کے قواعد کے دائرے میں رہتے ہوئے ایسے ضوابط اور پروگرام بنانے کا اختیار حاصل ہوگا جو مصالح عامہ اور رفع مفاسد کے لیے معاون ثابت ہوں گے۔ اسی طرح انتظامیہ اپنے خصوصی اختیارات، اس دستور، کابینہ اور مجلس شوریٰ کے نظاموں کے مطابق استعمال کرے گی۔“

پاکستان اور سعودی عرب کے دساتیر کے اسلامی آرٹیکلز کا ایک تقابلی جائزہ

① کتاب وسنت کی براہِ راست تنفیذ یا ان کے حوالے سے بننے والے قانون کی: سعودی عرب کا دستور و نظام براہِ راست کتاب وسنت کی تنفیذ[1] ہے، جبکہ پاکستانی دستور و قانون میں پارلیمنٹ کی بالادستی[2] ہے۔ حتیٰ کہ کتاب وسنّت سے مستنبط احکام کا تعین بھی پارلیمنٹ کا ہی مرہونِ منت ہے۔ اور سپریم کورٹ کے فل بنچ کے فیصلے ۱۹۹۲ء کی رو سے ان اسلامی احکام کو دیگر دستوری دفعات پر کوئی بالادستی حاصل نہیں ہوگی بلکہ اس کے منافی کسی دستوری آرٹیکل یا قانون کے تضاد کو دور کرنے کا اختیار صرف پارلیمنٹ کو حاصل

---

١ سعودی دستور (نظام الحکم) کے آرٹیکل نمبر ١، اور آرٹیکل نمبر ٧ کے علاوہ مذکورہ بالا تمام آرٹیکل کا خلاصہ یہ ہے کہ سعودی نظام الحکم (دستور) کی رو سے خیر وشر اور حق وباطل کے پہلو سے شریعت کی مطابقت حکام وعوام کے لئے لازمی ہوگی، جبکہ انتظامی مصلحتوں کے بارے میں شریعت کے منافی نہ ہونے کی شرط عائد ہے۔

٢ دستور کا آرٹیکل ۲/اے: (یعنی قرار دادِ مقاصد میں بیان کردہ اصول اور احکام کو بذریعہ ہذا دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے اور وہ بحسبہٖ مؤثر ہوں گے) اور 'مقدمہ حاکم خاں بنام حکومتِ پاکستان وغیرہ' میں سپریم کورٹ فل بنچ کا فیصلہ PLD 1992, Supreme Court 595

ہے۔ کوئی عدالت ایسے تضاد کو ختم کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔

② قرآن وسنت کے منافی قرار دینے کا اُلجھا طریق کار: دستور کے باب نہم (اسلامی احکام) آرٹیکل ۲۲۷ تا ۲۳۱ میں قرآن وسنت سے مستنبط احکام کے منافی کسی قانون کو کالعدم قرار دینے کی بات تو ضرور کہی گئی ہے، لیکن اس کو نافذ العمل کرنے کا طریق کار اس قدر طوالت اور اُلجھاؤ کا شکار ہے کہ ان مستنبط اسلامی احکام کا نفاذ بھی عملاً ایک خواب بن کر ہی رہ گیا ہے۔ آرٹیکل ۲۲۷(۲) کا اردو ترجمہ یوں ہے:

"شق (۱) کے احکام کو صرف اس طریقہ کے مطابق نافذ کیا جائے گا، جو اس حصہ [باب نہم] میں منضبط ہے۔"

③ انسانی حقوق کا براہ راست نفاذ جبکہ شریعت قانون سازی کی محتاج: پاکستانی دستور کے باب اوّل میں انسانی حقوق (آرٹیکل ۸ تا ۲۸) کو تو عدلیہ براہِ راست نافذ کر سکتی ہے اور جج اپنے فیصلے میں انسانی حقوق کے منافی کسی قانون کا پابند نہیں ہے، لیکن شریعت کو قانون سازی کے ذریعے بالواسطہ ہی نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بنچ نے شفعہ اور حدود وغیرہ کے بعض مقدمات میں یہ صراحت بھی کی کہ "متبادل قانون نہ آنے کی صورت میں شرعی احکامات ہی براہِ راست نافذ العمل ہوں گے۔"

جبکہ باب اوّل میں مندرج حقوق کے حصول کے لئے ہائیکورٹ کے اختیاراتِ سماعت پر کوئی پابندی نہیں ہے:

"۱۹۹ ج (۲): دستور کے تابع، حصہ دوم کے باب ۱ میں تفویض کردہ بنیادی حقوق میں سے کسی حق کے نفاذ کے لئے کسی عدالت عالیہ سے رجوع کرنے کا حق محدود نہیں کیا جائے گا۔"

④ وفاقی شرعی عدالت سے اہم قوانین کا استثنا اور متبادل قوانین کے لئے پارلیمنٹ سے رجوع: شرعی عدالت کے اختیارات کے بارے میں دستور کے باب ۳/الف کی رو سے دستور وغیرہ اہم قوانین کو مستثنیٰ کر کے فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ (شریعت اپلیٹ بنچ) بنایا گیا، تو اسے غیر محدود طول طویل سماعت کے بعد جن ذیلی قوانین کو کلی یا جزوی طور پر کالعدم قرار دینے کا اختیار دیا گیا، تو پھر بھی اصل قانونی اختیار پارلیمنٹ کو ہی حاصل رہا ہے۔ نتیجتاً دستور کے دونوں باب (۳/الف اور باب نہم) عملاً غیر مؤثر ہوگئے ہیں۔ جیسا کہ دستورِ پاکستان کے باب ۳/الف (وفاقی شرعی عدالت) میں قانون کی تعریف کو یوں محدود کر دیا گیا ہے:

۲۰۳ ب (ج) "قانون میں کوئی رسم یا رواج شامل نہیں ہے جو قانون کا اثر رکھتا ہو مگر اس میں دستور،

مسلم شخصی قانون، کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق کوئی قانون یا اس بات کے آغازِ نفاذ سے دس سال کی مدت گزرنے تک کوئی مالی قانون یا محصولات یا فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل اور طریقہ سے متعلق کوئی قانون شامل نہیں ہے۔''[1]

جبکہ وفاقی شرعی عدالت کا مقصد ۲۰۳ د (۳/ الف) میں یوں بیان کیا گیا ہے:

''اگر عدالت کی طرف سے کوئی قانون یا قانون کا کوئی حکم اسلامی احکام کے منافی قرار دے دیا جائے تو ... الف) وفاقی فہرست قانون سازی میں شامل کسی امر کے سلسلے میں کسی قانون کی صورت میں صدر یا کسی ایسے امر کے سلسلے میں مذکورہ فہرست میں سے کسی میں بھی شامل نہ ہو، کسی قانون کی صورت میں گورنر اس قانون مین ترمیم کرنے کے لئے اقدام کرے گا، تاکہ مذکورہ قانون یا حکم کو اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے۔

(۳ب): مذکورہ قانون یا حکم اس حد تک جس حد تک اسے بایں طور منافی قرار دے دیا جائے، اس تاریخ سے جب عدالت کا فیصلہ اثر پذیر ہو، مؤثر نہیں رہے گا۔''[2]

⑤ حکمتِ عملی کے اصول (اسلامی تہذیبی قوانین) فی الحال نافذ العمل نہیں: دستور کے باب ۲ (حکمتِ عملی کے اصول، آرٹیکل ۲۹ تا ۴۰) کی رو سے اسلامی تہذیب وتمدن سے متعلق بعض اہم قوانین کو حکمتِ عملی کے اصولوں کو پالیسی کے طور پر پیش تو کیا گیا ہے، تاہم اسی باب کے آرٹیکل ۳۰ (شق ۲) میں یہ شرط عائد کر دی گئی ہے کہ مذکورہ پالیسی کے قوانین قابل نفاذ نہیں ہیں:

''کسی فعل یا کسی قانون کے جواز پر اس بنا پر اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ وہ حکمت عملی کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے اور نہ اس بنا پر مملکت، مملکت کے کسی شعبے یا ہئیت مجاز یا کسی شخص کے خلاف کوئی قانونی کارروائی قابل سماعت ہوگی۔''

⑥ کتاب وسنت سے متضاد ہونا یا اس کے مطابق ہونا؟ پاکستانی دستور کے اسلامی آرٹیکلز میں کسی قانون کے کتاب وسنت سے متضاد ہونے کی بات کہی گئی ہے، جبکہ سعودی عرب کے دستور (نظام الحکم) میں کسی بھی

---

۱ مالیاتی قوانین کے بارے میں دس سال کی مدت پوری ہونے کے بعد اب وفاقی شرعی عدالت کو مالی قوانین کے بارے میں اختیار سماعت حاصل ہو چکا ہے۔

۲ صدارتی حکم نمبر ا، ۱۹۸۴ء... سیکشن: ۲ (اے) مجریہ ۱۴ر فروری ۱۹۸۴ء

قانون کے لئے لازمی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق ہو یا اس سے ماخوذ ہو اور کتاب وسنت کے منافی ہونے کی بات صرف انتظامی اختیارات کے بارے میں ہے جن کو 'نظام' کا نام دیا جاتا ہے۔[1]

مفسر قرآن شیخ شنقیطی لکھتے ہیں:

"قانون کی دو قسمیں ہیں: شرعی اور انتظامی۔ شرعی قانون (شریعت) میں خالق ارض وسما کے فیصلے کو چھوڑ کر قانون سازی کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کُفر کے مترادف ہے۔ جبکہ انتظامی قانون میں یہ اُصول ہے کہ وہ قانون شرعی احکام کے منافی نہ ہو، جیسے ملازمین کی رخصت ومعاوضہ ودیگر اُمور کی تنظیم وغیرہ کے قوانین تو ایسے قوانین تشکیل دینے میں کوئی حرج نہیں۔"[2]

جیسا کہ آغاز میں ذکر ہوا کہ یہ مقالہ انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کی شریعہ اکیڈمی کے زیر اہتمام المصادر التی یجب أن یعتمد علیها القاضی في إصدار أحكامه کے موضوع پر تیار کیا گیا ہے، اس مناسبت سے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے سابق صدر، وفاقی وزارتِ مذہبی امور کے سابق وزیر، اور وفاقی شرعی عدالت کے سابق جج ڈاکٹر محمود احمد غازی کے بعض افکار بھی پیش خدمت ہیں:

ڈاکٹر محمود احمد غازی سعودی عرب کے نفاذِ شریعت کے ماڈل کو اسلامی دنیا میں نفاذ شریعت کا کامیاب ترین تجربہ قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں سعودی عرب میں دنیا بھر سے زیادہ امن وامان بھی پایا جاتا ہے، آپ لکھتے ہیں:

"اس معاملے میں غالباً واحد استثنا برادر ملک سعودی عرب کا ہے جہاں اسلام کے فوجداری قوانین انتہائی مؤثر انداز میں نافذ ہیں۔ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ حدود اور اسلام کے فوجداری قوانین کا جتنا مؤثر نفاذ سعودی عرب میں ہوا ہے، اتنا مؤثر نفاذ دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں ہوا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کے حدود اور فوجداری قوانین کے ثمرات وقتاً فوقتاً بیان کیے جاتے رہے ہیں، جن کی وجہ سے اسلام کے قوانین حدود کو مؤثر سمجھا جاتا رہا، اس کی واحد کامیاب مثال ابھی تک برادر ملک سعودی عرب ہی ہے۔"[3]

---

۱ سعودی دستور (نظام الحکم): آرٹیکل نمبر ۱، ۷ وغیرہ بالخصوص آرٹیکل نمبر ۴۸

۲ تفسیر أضواء البیان: ۴/ ۸۴

۳ 'علم اصول فقہ، ایک تعارف': ج ۳/ ص ۱۶۸

اس کے بالمقابل ڈاکٹر غازی پاکستان میں جاری شریعت کی قانون سازی کے تجربے کو فوری سہولت اور وقتی مجبوری کے تحت اختیار کرنے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ تجربہ تو وہ تھا جو پاکستان میں سامنے آیا۔ لیکن اس تجربے کی کمزوریوں یا اس میں غلطیوں کے باوجود کم از کم شخصی قوانین کی حد تک پاکستان میں آیا اور پاکستان کے علاوہ متعدد مسلم ممالک میں عدم تقنین کا تجربہ خاصی کامیابی سے جاری ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ شخصی قوانین پر اُردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں کثرت سے مواد دستیاب ہے۔ ان احکام پر گزشتہ دو سو، ڈھائی سو سال سے مسلسل عمل ہو رہا ہے اور کیس لاء پر اتنا مواد اور نظائر (Precedents) تیار ہوگئے ہیں کہ اب کسی نئی صورت حال کا پیش آنا انتہائی شاذ و نادر حالات میں ہوتا ہے جس کے لیے اعلیٰ عدالتیں فیصلہ دے کر ایک نئی نظیر قائم کر دیتی ہیں۔''[1]

سعودی اور خلیجی ممالک کے نظام کی کامیابی اور اثر پذیری کو تسلیم کرتے اور پاکستان میں جاری قانونی طریقہ کار کو فوری سہولت قرار دینے کے بعد ڈاکٹر محمود غازی لکھتے ہیں کہ درحقیقت تدریجاً ایک مثالی اور بہتر نظام کی طرف پیش قدمی بہر طور ضروری ہے:

''حکومتِ وقت یا قانون ساز ادارہ ایک نقطہ نظر کو لازم اور واجب التعمیل قرار دے اور اس کی بنیاد پر ایک فیصلہ متعین کر دے جس کی روشنی میں قانون کی تدوین کی جائے۔ (صفحہ ۱۷۳)

جس کی موجودگی کسی بھی اسلامی دستور کے لیے ناگزیر ہے اور کون سی چیز وہ ہے جو محض انتظامی نوعیت کی ہے، جس کی حیثیت وقتی ہوگی۔ (صفحہ ۱۶۴)

جب ایسا نظامِ تعلیم کام شروع کر دے گا اور ایسے متخصّصین سامنے آنے شروع ہو جائیں گے، اس وقت شاید یہ کہا جاسکے گا کہ قوانین شریعت کو مدوّن اور ضابطہ بند کرنے کی ضرورت ختم ہوگئی ہے لیکن جب تک ایسا نہیں ہوتا اور ملک کے عام قانون داں، وکلاء اور جج صاحبان احکام شریعت سے براہ راست واقفیت رکھنے والے کثیر تعداد میں دستیاب نہ ہوں، اس وقت تک عدم تقنین یا مختصر تقنین سے نفاذ شریعت کے تقاضے پورا کرنا انتہائی مشکل کام معلوم ہوتا ہے۔'' (ایضاً)

---

۱ ایضاً: صفحہ ۱۷۵

(حصہ دوم: سعودی اور پاکستانی نظام عدل کی خصوصیات اور تقابلی جائزہ)

بلاشبہ عدالتی نظام کا مقصد فریقین کے مابین متنازعہ حقوق کے بارے میں 'حق بحق دار رسید' ہوتا ہے۔ مزید برآں بنیادی حقوق (مذہب، جان، عقل، نسل اور مال وغیرہ) کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ کمزور فریق پر طاقتور فریق کی زیادتی کا ازالہ کیا جائے۔ پاکستانی نظام میں اگرچہ بڑی ذمہ داری عدلیہ پر ڈالی گئی ہے، تاہم سرکاری ملازمین کے ناجائز اختیارات کے ازالہ کے لئے سویڈن سے درآمدہ ایک نظامِ احتساب Ombudsman بھی رائج ہے۔ لیکن قانون کا تصوّر زیادتی کرنے والے کو سزا دے کر صرف تحفظ دینے تک محدود ہے۔

دوسری طرف سعودی عرب کا نظام انصاف اسلامی تاریخ کے تسلسل میں تین متوازی رمربوط اداروں پر مشتمل ہے۔ چنانچہ عدلیہ کے علاوہ دو اہم ادارے الحسبة (هيئة الامر بالمعروف والنهي عن المنكر) اور دیوان المظالم بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ شریعت کا مقصد سزا کے ذریعے صرف دُکھ دینے کا نہیں بلکہ فرد و معاشرہ کو اس طرح سنوارنا ہے کہ وہ نہ صرف ایک دوسرے کے حقوق سلب نہ کریں، بلکہ سزا کے ذریعے معاشرے کو امن وامان کو گہوارا بنا دیا جائے۔ عربی زبان کے لفظ 'تعزیر' کا مفہوم 'معاشرتی برائیوں کا علاج کر کے استحکام پیدا کرنا' ہے۔ اس لئے تادیب (ادب وسلیقہ سکھانا) کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ شریعت صرف قانون نہیں ہے بلکہ حقوق و فرائض دونوں کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب تک فرد اور معاشرے کی تربیت نہ کی جائے، حقوق کا تحفظ اور امن وامان قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی غرض سے نظام احتساب (هيئة الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر) کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں بھلائی کو فروغ ملے اور برائیوں کا خاتمہ ہو۔ یہ ایک خود کار نظام ہے جو شکایت کنندہ کے بغیر بھی جاری وساری رہتا ہے۔ عبادات کے علاوہ اخلاق و معاملات کے وسیع دائرہ کی اصلاح اسی نظام احتساب کی ذمہ داری ہے۔

اسی طرح دیوانِ مظالم کا بڑا مقصد اختیارات کے حامل، افسروں اور عہدیداروں کی کڑی نگرانی ہے۔ جس میں نظام احتساب کے افسران اور عدلیہ کے عہدیداران کے غیر محدود اختیارات کی حامل زیادتیوں کا ازالہ بھی کیا جاتا ہے۔ Check & Balance کے دو مستقل اور متوازی نظاموں کے وسیع دائرہ کار کی وجہ سے عدلیہ پر زیادہ دباؤ نہیں رہتا بلکہ عام عدالتوں سے صرف وہ لوگ رجوع کرتے ہیں، جو نظام احتساب اور دیوان المظالم سے انصاف حاصل نہ کر سکیں۔

واضح رہے کہ دیوان المظالم حکومت کی پوری مشینری کے علاوہ Administrative Courts کی صورت ایک مستقل عدالتی نظام بھی رکھتا ہے۔ (اس کا ذکر عدالتی نظام کے ضمن میں آرہا ہے)

فی الحال مقالہ مختصر کرنے کے لئے نظام احتساب اور دیوان المظالم دونوں پر تبصرہ نہیں کیا جارہا بلکہ صرف عام سعودی اور پاکستانی عدالتی نظام کی چند ایک خصوصیات کا جزوی تقابلی مطالعہ ہی پیش کیا جاتا ہے، البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ عدلیہ کے فیصلوں کی مؤثر تنفیذ کے لئے بھی تقریباً تین سال قبل سعودی عرب نے المحاکم المختصة للتنفیذ کے نام سے مزید نظام قائم کیا ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔) سعودی عرب کے عدالتی نظام اور پاکستان کے عدالتی نظام کی خصوصیات کا ایک خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

① عدالتی ڈھانچہ: انصاف کے عمل کو آسان اور یقینی بنانے کے لئے سعودی نظام عدل میں مقدمات کی نوعیت کے مطابق عدالتوں کی تقسیم اور درجہ بندی کی گئی ہے جیسا کہ نظام عدل ۱۴۲۸ھ کا آرٹیکل نمبر ۹ اور ۵۱ اس کی صراحت کرتا ہے۔ چنانچہ سعودی عرب میں مقدمات کی نوعیت کے اعتبار سے محاکم الدرجة الأولی (درجہ اوّل کی عدالتیں) پانچ طرح کی ہیں:

ا المحاكم العامة (جنرل کورٹس)

ب المحاكم الجزائية (کریمنل کورٹس)

ج محاكم الأحوال الشخصية (پرسنل لاز کورٹس)

د المحاكم التجارية (بزنس کورٹس)

ہ المحاكم العمالية (لیبر کورٹس)

ہر طرح کی عدالتوں کی اپیل کے لئے محاکم الاستیناف (ہائی کورٹس) اور المحكمة العليا (سپریم کورٹس) بھی موجود ہیں۔ جن کو مجلس القضاء الأعلیٰ (سپریم جوڈیشل کونسل) کنٹرول کرتی ہیں جبکہ نظام دیوان المظالم کی بھی ادنیٰ سے اعلیٰ سب عدالتوں پر پوری نگرانی ہوتی ہے۔ دیوان المظالم کی عدالتوں کو المحاكم الإدارية (Administrative Courts) کہتے ہیں۔ جن کی اُسی طرح ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ بندی ہے یعنی

المحاكم الإدارية پر محاكم الاستيناف الإدارية (Administrative High Courts) اور المحكمة الإدارية العُليا (Administrative Supreme Courts) موجود ہیں۔

ان کو مجلس القضاء الإداري (Supreme Administrative Judicial Council) کنٹرول کرتی ہے۔

مزید برآں سعودی عرب میں تقریباً پانچ سال قبل ۱۳؍ شعبان ۱۴۳۳ھ کو عدالتی فیصلوں پر عمل درآمد

کے لئے تیسری قسم کی تنفیذی عدالتوں کا ایک معاون نظام بھی قائم کیا گیا ہے۔ جسے دو سال بعد ۲۲رمضان ۱۴۳۵ھ (۲۰ جولائی ۲۰۱۴ء) کو المحاكم المتخصّصة للتنفیذ Special Enforcement Courts کے نام سے مستقل حیثیت دے دی گئی ہے تاکہ فیصلوں پر فوری اور مؤثر عمل درآمد ہو سکے۔

② سعودی نظام عدل جدید ترین خطوط پر استوار ہے، اور پوری دنیا کے ایسے جدید ترین تکنیکی وسائل اور سہولیات سے استفادہ کرتا ہے جو شریعتِ مطہرہ کے مخالف نہ ہوں۔

③ سعودی نظام عدل فریقین (سعودی شہری اور غیر ملکی باشندوں) کو اپنا ہر مسئلہ پیش کرنے یا فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کرنے کا مکمل حق دیتا ہے، چاہے براہ راست فریقین اپنا مقدمہ پیش کریں یا وکیل کی مدد حاصل کریں۔ جیسا کہ نظام عدل کا آرٹیکل ۴۷ یہ قرار دیتا ہے کہ

"حق التقاضي مكفول بالتساوي للمواطنين والمُقيمين في المملكة، ويُبين النظام الإجراءات اللازمة لذلك"

"مطالبہ اور استحقاق پیش کرنے کا حق سعودی عرب میں تمام شہریوں اور تارکین وطن کو برابر حاصل ہے جس کا طریقہ کار متعلقہ نظام میں وضاحت سے پیش کر دیا گیا ہے۔"

④ سعودی نظام عدل ایسے انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت بھی دیتا ہے جو قرآن وسنت کے مخالف نہ ہوں۔ جیسا کہ آرٹیکل نمبر ۲۶ قرار دیتا ہے کہ

"تحمي الدولة حقوق الإنسان، وفق الشريعة الإسلامية"

"حکومت شریعت کے مطابق تمام انسانی حقوق کے تحفظ کی ضامن ہے۔"

⑤ عدالتی طریقہ کار: سعودی نظام عدل میں حقوق کی حفاظت اور زیادتی کے ازالہ کے لیے فیصلے کا میزان اور اس کے طریق کار (Procedural System) کے لیے حتمی معیار کتاب وسنت ہی ہیں، تمام فیصلہ جات اور نظاموں کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب وسنت کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہوں جیسا کہ سعودی دستور کا آرٹیکل نمبر ۱ اور نمبر ۷ اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔

⑥ نظام عدل پر حکام کا اثر ورسوخ بھی انہی اختیارات تک محدود اور مشروط ہے، جو کتاب وسنت نے اُنہیں دیے ہیں اور وہ نفاذِ شریعت، نظامات، عوام الناس کے مصالح اور ملک کے تحفظ و دفاع کے نگران و ذمہ دار ہیں جیسا کہ آرٹیکل نمبر ۵۵ میں اس کو واضح کیا گیا ہے۔ اور آرٹیکل نمبر ۵۰ یہ تقاضا کرتا ہے کہ بادشاہ اور اس کے مقرر کردہ حکام شرعی اور عدالتی نظام کے نفاذ کے ذمہ دار ہوں گے۔

پاکستانی جوڈیشل سسٹم (نظامِ عدل) کے منتخب حصے

① پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے جج حضرات کی نگرانی کے لئے دستور کے آرٹیکل نمبر ۲۰۹ میں 'سپریم جوڈیشل کونسل' کا ذکر ہے:

"پاکستان کی ایک اعلیٰ عدالتی کونسل ہوگی، جس کا حوالہ اس باب میں کونسل کے طور پر دیا گیا ہے۔ جو چیف جسٹس آف پاکستان، سپریم کورٹ کے دو سینئر ترین ججز اور ہائیکورٹس کے دو سینئر ترین ججز پر مشتمل ہوگی۔"

۲۰۹(۸): "کونسل ایک ضابطہ اخلاق جاری کرے گی جس کو عدالتِ عظمیٰ اور عدالت ہائے عالیہ کے جج ملحوظ رکھیں گے۔"

② پاکستانی دستور میں ماتحت عدالتوں کے فیصلوں پر نگرانی/اپیل کی سہولت مہیا کی گئی ہے اور اعلیٰ عدالتوں کے لیے ایک اہم اختیار Writ System کا بھی ہے جن سے گزر کر آخری فیصلہ سپریم کورٹ (عدالتِ عظمیٰ) کا ہوگا۔ جیسا کہ سپریم کورٹ کو دستور کا آرٹیکل ۱۸۵ یہ اختیار دیتا ہے کہ

"اس آرٹیکل کے تابع عدالتِ عظمیٰ کو کسی عدالتِ عالیہ کے صادر کردہ فیصلوں، ڈگریوں، حتمی احکام یا سزاؤں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کرنے اور ان پر فیصلہ صادر کرنے کا اختیار ہوگا۔"

③ اور ہائی کورٹ کو دستور کا آرٹیکل ۲۰۱ اور ۲۰۳ یہ اختیار دیتا ہے کہ

۲۰۱: "آرٹیکل ۱۸۹ کے تابع کسی عدالت عالیہ کا کوئی فیصلہ، جس حد تک کہ اس میں کسی امر قانونی کا تصفیہ کیا گیا ہو یا وہ کسی اصول قانون پر مبنی ہو یا اس کی وضاحت کرتا ہو، ان تمام عدالتوں کے لئے واجب التعمیل ہوگا جو اس کے ماتحت ہوں۔"

۲۰۳: "ہر عدالت عالیہ اپنی ماتحت عدالتوں کی نگرانی اور انضباط کرے گی۔"

④ پاکستانی دستور میں مختلف عدالتوں کے جج حضرات کی بنیادی اہلیت یہ ہے:

آرٹیکل ۱۷۷(۱): سپریم کورٹ کے چیف اور جج کو صدرِ پاکستان یوں مقرر کرے گا کہ

(۲ الف) کم از کم پانچ سال تک یا مختلف اوقات میں اتنی مدت تک جو مجموعی طور پر پانچ سال سے کم نہ ہو، کسی عدالتِ عالیہ کا جج رہا ہو (ب) کم از کم پندرہ سال تک یا مختلف اوقات میں اتنی مدت تک جو مجموعی طور پر ۱۵ سال سے کم نہ ہو، کسی عدالت عالیہ کا ایڈووکیٹ رہا ہو۔"

آرٹیکل ۱۹۳: ہائی کورٹ کے جج کے لئے پاکستان کا شہری اور ۴۵ سال عمر ہونا ضروری ہے۔

الف) ۱۰ سال تک ہائی کورٹ کا ایڈووکیٹ رہا ہو۔ یا

ب) ۱۰ سال سول سروس کی ہو، جس میں تین سال ڈسٹرکٹ جج بھی رہا ہو۔ یا

ج) دس برس تک پاکستان میں عدلیہ کا عہدیدار رہا ہو۔

جبکہ وفاقی شرعی عدالت کے جج کی اہلیت دستور کے آرٹیکل ۲۰۳ ج میں مذکور ہے:

یہ عدالت چیف جسٹس سمیت ۸ ججوں پر مشتمل ہو گی۔ (۳الف)''ججوں میں سے زیادہ سے زیادہ چار ایسے اشخاص ہوں گے جن میں ہر ایک کسی عدالت عالیہ کا جج ہو یا رہ چکا ہو یا بننے کا اہل ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ تین علماء ہوں گے جو اسلامی قانون، تحقیق یا تعلیم میں کم از کم پندرہ سالوں کا تجربہ رکھتے ہوں۔''[1]

گویا پاکستانی قانون میں جج کے لئے شرعی علوم کی مہارت بلکہ معرفت ہونا بھی ضروری نہیں۔ اگر ہے بھی تو وہ شرعی عدالت تک محدود ہے۔

⑤ پاکستانی نظام قضا میں سابقہ عدالتی نظائر کی قانونی حیثیت یہ ہے:

آرٹیکل نمبر ۱۸۹:''عدالتِ عظمیٰ کا کوئی فیصلہ، جس حد تک کہ اس میں کسی امر قانونی کا تصفیہ کیا گیا ہو، یا وہ کسی اصول و قانون پر مبنی ہو یا اس کی وضاحت کرتا ہو، پاکستان میں تمام دوسری عدالتوں کے لئے واجب التعمیل ہو گا۔''

اور ہائیکورٹ کی ماتحت عدالتوں پر نگرانی اور اس کے فیصلوں کی پابندی پر دستور کا آرٹیکل ۲۰۱ تا ۲۰۳ صراحت کرتے ہیں، جیسا کہ ان کا متن اوپر گزرا ہے۔

سعودی اور پاکستانی نظامِ عدل کا تقابلی تجزیہ

① کتاب و سنت کی بالادستی یا قانون کی: سعودی عرب میں جج پر صرف کتاب و سنت کی بالادستی[2] ہے، جبکہ پاکستان میں وہ قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند[3] ہے۔ یعنی سعودی عرب میں عدلیہ کا مقصد انسانی حقوق کے سلسلے میں انصاف کا حصول اور زیادتی کا ازالہ ہوتا ہے، جبکہ پاکستان میں قانون کا نفاذ برتر حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ خواہ انصاف ملے یا نہ ملے کیونکہ پاکستان میں قانون وضع کئے بغیر کوئی شے نافذ العمل نہیں ہوتی۔

---

1 دستور (اٹھارویں ترمیم) ایکٹ ۲۰۱۰ (نمبر ۱۰ بابت ۲۰۱۰) کی دفعہ ۴۷ کی رو سے بعض الفاظ تبدیل کیے گئے۔

2 سعودی دستور (نظام الحکم) کا آرٹیکل نمبر ۴۶ اور ۷... نظام القضاء کا آرٹیکل نمبر ۱

3 مقدمہ 'حاکم خاں بنام حکومت پاکستان وغیرہ'، پی ایل ڈی ۱۹۹۲، ایس سی ۵۹۵، فیصلہ فل بنچ سربراہی: جسٹس نسیم حسن شاہ

④ حق اور سچ کی تلاش یا خصومانہ نظام: سعودی عرب کا عدالتی نظام، مزاج کے لحاظ سے حق اور سچ کی تلاش ہے جس کی پوری ذمہ داری ججوں پر عائد ہوتی ہے جبکہ پاکستان کا عدالتی نظام خصومانہ Adversary System ہے۔ لہٰذا دونوں پارٹیوں کے بھرپور مقابلے کے درمیان جج کا کردار صرف ریفری کا ہوتا ہے۔ اصل مقابلہ فریقین کے بجائے وکیلوں کا ہوتا ہے جو کبھی نہیں ہارتے کیونکہ ان کو ہر صورت میں بڑی سے بڑی فیس مل جاتی ہے۔

① ایڈورسری سسٹم کا قانون طریق کار کے ضمن میں آتا ہے، جس کا علم صرف ماہرین قانون کو ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں وکیل کے سوا کسی کی بات سنی نہیں جاتی اور قانون کی تشریح بھی وکیل کی ہی معتبر ہے جو اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کی نشاندہی کے ذریعے اپنی تشریح کو قانونی شکل دیتا ہے۔ مقدمہ کی طوالت میں بار اور بنچ کی باہمی مفاہمت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے عدالتیں وکلا کو پورا موقع دیتی ہیں کہ وہ کب متعلقہ قانونی تیاری مکمل کر کے بحث کریں۔

② سعودی عرب میں گواہ کا معیاری ہونا ضروری ہے، جس کا ذریعہ تزکیۃ الشہود[1] ہے، جبکہ پاکستان میں گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ سزا یافتہ نہ ہو۔ گواہی کی سچائی اور جھوٹ کا فیصلہ مخالف وکیل کی جرح سے تضاد کی صورت میں مدعا علیہ اور ملزم کے حق میں جاتا ہے۔ یہ سارا وکیل کا ہی ہے۔ مقولہ مشہور ہے: ملزم قانون کا لاڈلا بیٹا ہے۔

③ اعلیٰ عدالتوں کے جج حضرات اور معروف قانون دان تو پاکستان کے Adversary System سے واقف ہیں لیکن انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کی شریعہ اکیڈمی نے دسمبر ۲۰۱۵ء میں سعودی عدالتی نظام کے جائزے کے لئے جوڈیشل مجسٹریٹ، سول ججز اور ایڈیشنل سیشن ججز پر مشتمل ۲۴ رکنی وفد بھیجا تھا جس کی رپورٹ شریعہ اکیڈمی نے حال ہی میں شایع کی ہے۔ ان جج حضرات میں سے ایک جوڈیشل مجسٹریٹ ذیشان منظور کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

> The Judicial System in KSA as I understood is inquisitorial in nature. Judges take Pains to search for truth rather acting as referees as happens in an adversarial systems.[2]

---

۱ سعودی اور پاکستانی نظام میں گواہی سے متعلقہ قوانین

۲ Visit of Pakistani Judicial Officers, Shariah Academy, IIUI, 2016, p.28

③ جج کی اہلیت شرعی مہارت یا قوتِ فیصلہ: حق و سچ کی تلاش جج کا کام ہے، اس لئے سعودی عرب میں کتاب و سنت کی مہارت کے حامل حضرات ہی جج بنائے جاتے ہیں، جو کلیات الشریعۃ کی اعلیٰ ڈگریوں کے علاوہ سپریم جوڈیشل کونسل کے تحت منعقدہ مقابلہ کے تقریری اور تحریری امتحان سے بھی گزرتے ہیں اور پھر ان کو ایک سال سے لے کر تین سال تک کی تربیت[1] بھی دی جاتی ہے۔ جبکہ پاکستان میں جج بننے کی ایل ایل بی تو شرط ہے لیکن کتاب و سنت کی مہارت کی کوئی پابندی نہیں، بلکہ ملکی قانون سے واقفیت اور عدالتوں میں اس کا تجربہ[2] اہمیت رکھتا ہے۔

④ دونوں ممالک میں سابقہ نظائر کی قانونی حیثیت: جج کی صلاحیت لازماً کتاب و سنت کی مہارت ہے حتی کہ پیش آمدہ مقدمہ میں وہ عدالتی نظائر سے استفادہ تو کرتا ہے لیکن ان کا پابند[3] نہیں ہوتا، یعنی موقع پر اجتہاد کرتا ہے۔ جبکہ پاکستانی آئین اور قانون کی تشریح نہ صرف قانون دان کرتے ہیں، بلکہ ادنیٰ عدالتیں، اعلیٰ عدالتوں کے نظائر کی پابند[4] ہوتی ہیں۔

⑤ فیصلہ کا دورانیہ اور سماعتوں کی تعداد: دورانیہ کے بارے میں سعودی عدالتوں کا معمول یہ ہے کہ ۳ ماہ کے اندر اندر زیادہ سے زیادہ پانچ سماعتوں میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے جب کہ اپلیٹ کورٹ میں بھی ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ نہیں لگتا۔ جیسا کہ متذکرۃ الصدر وفد کے ایک رکن جج کا تبصرہ یوں ہے:

> That each civil case is decided in two to five sessions and that if the complainant or the defendant is not satisfied with the decision of the court, he or she may appeal to the Appellate Court within 30 days ...
> Whereas a criminal case if appealed to the Appellate Court for Criminal Case[5] may be decided only in one month.

---

۱ سعودی عرب کا نظام القضا ۱۴۲۸ھ، آرٹیکل ۴۴

۲ پاکستانی دستور میں جج کی اہلیت کے لئے دیکھیں: آرٹیکل نمبر ۱۹۳

۳ خصائص النظام السعودی میں المادۃ الخامسۃ اور پاکستانی ججز کے وزٹ میں شریعہ اکادمی کی رپورٹ: ص ۷
"وأنه يحق للقاضي أن يلغي أي قانون أو حكم من أحكام القانون إن وجد مخالفا للقرآن الكريم أو للسنة النبوية."

۴ پاکستانی دستور کا آرٹیکل نمبر ۱۸۹

۵ Visit of Pakistani Judicial Officers, Shariah Academy, IIUI, 2016, p.6, 7

We were told by the Head of the Criminal Court that the Court of Appeal will decide it in the very first hearing, thus, the total Time for the whole trial in both courts would be less than three months. This makes the justice system one of the fastest and the best in the world[1].

چوں کہ سعودی عرب میں نظامِ احتساب کے علاوہ تین طرح کے مستقل عدالتی نظام بھی چل رہے ہیں اور ہر نظام میں شہروں اور ان کے حلقوں کے حساب سے ججوں کی ایک بہت بڑی تعداد کام کرتی ہے اس لیے ایک جج کے پاس یومیہ ۵ تا ۸ کیس ہوتے ہیں جبکہ پاکستان میں Adversary System کی وجہ سے طول طویل Litigation ہوتی ہے اس لیے ہر جج کے پاس یومیہ ۸۰ تا ۱۰۰ کیس لگتے ہیں جن میں وکلا کی مصروفیت کی بنا پر اکثر کی سماعت ہی نہیں ہو پاتی۔ مقولہ مشہور ہے کہ "انصاف کی تاخیر بھی ظلم ہے!" ایسا ہی ایک اور مقولہ ہے کہ "انصاف کا عملاً وجود کافی نہیں بلکہ انصاف ہوتا نظر آنا چاہیے۔" اسی طرح سعودی عرب میں عدالتی فیصلہ کی زیادہ سے زیادہ پانچ پیشیاں ہوتی ہیں، جبکہ پاکستان میں ان کی کوئی حد مقرر نہیں اور ادنیٰ عدالت سے لے کر اعلیٰ ترین عدالت کے فیصلوں تک بسا اوقات تین نسلیں بھی گزر جاتی ہیں۔ اسی لئے پاکستان میں بااثر پارٹیاں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر فیصلہ کرنے کو ترجیح دیتی ہیں جس کی بنا پر کمزور یا تو معافی مانگنے پر مجبور ہوتا ہے یا برائے نام پونجی کا لولی پاپ اس کے ہاتھ تھما کر اسے 'صلح' کا نام دیا جاتا ہے۔ ورنہ کمزور ہمیشہ 'ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات' کا شکار رہتا ہے۔

عام طور پر اعلیٰ عدالتوں کے ریٹائرڈ جج حضرات تو خاموش رہتے ہیں لیکن ہائی کورٹ سے ریٹائرڈ ہونے والے وہ جج جو اب سپریم کورٹ میں وکالت کرتے ہیں، نے قتل کے بعض کیسوں کے بارے میں یوں تبصرہ کیا کہ یہاں سب سے بڑی مصیبت 'وکالت' ہے۔ اس بارے میں چند نکات ملاحظہ ہوں:

ا) پاکستان میں بنچ اور بار دونوں بظاہر قانونی نکتوں کی تلاش اور ان کے فیصلوں کے لئے مقدمات کی طوالت کا بہانہ کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جج حضرات اور وکلا کا تو کوئی نقصان نہیں ہوتا کیوں کہ ججوں کی مراعات اور وکلا کی بھاری بھرکم فیسیں انھیں مل جاتی ہیں لیکن پارٹیاں مسلسل Litigation کے اضافہ میں اُلجھتی چلی جاتی ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ کمزور اور مظلوم ظلم سہنے

---

1 Ibid, p.17

اور خون کے گھونٹ پینے پر مجبور ہوتا ہے تو مبالغہ نہ ہو گا۔

ب) پاکستانی قانون میں اپیل در اپیل میں بھی سالہا سال بیت جاتے ہیں، جبکہ سعودی نظام عدل میں بھی اپیل کا تصور تو موجود ہے لیکن فریقین کی بجائے قضاۃ کے بارے میں نگرانی کا نظام بڑا سخت ہے، تاہم اپلیٹ کورٹ میں فیصلہ کی مدت بھی ایک ماہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

ج) عدالتی فیصلے کے نفاذ کے لئے پہلے سعودی عرب میں جنرل کورٹس کے تحت تنفیذی عدالتیں تقریباً پانچ سال قبل ۱۳/ شعبان ۱۴۳۳ھ کو قائم کی گئی تھیں، پھر ۲۲/ رمضان ۱۴۳۵ھ (۲۰/ جولائی ۲۰۱۴ء) کو ان عدالتوں کو المحاکم المتخصصة للتنفیذ Special Enforcement Courts کے نام سے مستقل حیثیت دے دی گئی ہے۔ جبکہ پاکستان میں فیصلوں کا نفاذ عدلیہ کی بجائے انتظامیہ کی ذمہ داری ہے۔

⑥ سعودی عدلیہ پاکستانی عدلیہ کی نسبت زیادہ آزاد: سعودی اور پاکستانی نظام عدل میں یہ بھی فرق ہے کہ پاکستان میں جج حضرات کے انتخاب اور تعین میں انتظامیہ کا زیادہ دخل ہے جبکہ سعودی عرب میں جج حضرات کے انتخاب میں سپریم جوڈیشل کونسل کا زیادہ دخل ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان میں عدالتوں کے فیصلے کا نفاذ انتظامیہ کی ذمہ داری ہے، جبکہ سعودی عرب میں انفورسمنٹ عدالتوں کے قیام کی بنا پر، عدالتی فیصلوں کی فوری اور مؤثر تنفیذ بھی عدالتی دائرہ عمل ہی کا حصہ ہے۔ اسی طرح پاکستانی جج حضرات، پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہوتے ہیں، جبکہ سعودی عرب کے جج حضرات شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہیں۔ الغرض ان تین جہات سے سعودی عدلیہ پاکستانی عدلیہ کی نسبت انتظامیہ کے اثر ورسوخ سے زیادہ آزاد ہے۔

نتائج

پاکستان اور سعودی عرب دونوں کے نظامہائے عدل و قانون کے تقابل و تجزیے کے بعد جب ہم مذکورہ بالا نتائج پر پہنچ جاتے ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کامیاب منزل تک پہنچنے کا راستہ اور طریقہ کیا ہونا چاہیے؟ اس کے جواب میں بھی میں ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم کی رائے پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے لیے تعلیمی اور تربیتی ادارے اور اکیڈمیاں قائم کی جائیں جو ایسے نصابات کی حامل ہوں جن میں خیر کے دونوں پہلوؤں کا امتزاج ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"جب ان دونوں قوانین کے نصابات پر از سر نو غور کر لیا جائے اور ایک ایسا نظام وضع کیا جائے کہ قانون کی ابتدائی تعلیم ایک حد تک مشترک ہو جس میں فقہ اسلامی میں تخصص کرنے والے حضرات بھی شریک ہوں اور رائج الوقت قوانین میں تخصیص کرنے والے بھی شریک ہوں۔ پھر آگے چل کر جب قانون کے مختلف شعبوں میں اختصاص کا مرحلہ آئے تو فقہ اور اس کے شعبوں میں اختصاص کرنے والے مختلف اداروں میں چلے جائیں اور جدید قوانین اور اس کے شعبوں میں اختصاص کرنے والے مختلف اداروں میں چلے جائیں۔ اس کے باوجود یہ ضروری ہو گا کہ جو لوگ فقہ اور اس کے شعبوں میں تخصص کر رہے ہوں، وہ اپنے متعلقہ موضوع سے ملتے جلتے شعبہ ہائے قوانین میں بھی ضروری حد تک واقفیت حاصل کریں۔ اسی طرح جو لوگ جدید قوانین کے مختلف شعبوں میں تخصص کر رہے ہوں، وہ اپنے متعلقہ موضوع سے ملتے جلتے شعبہ ہائے قوانین میں بھی ضروری حد تک واقفیت حاصل کریں۔ اسی طرح جو لوگ جدید قوانین کے مختلف شعبوں میں تخصص کر رہے ہوں مثلاً جورس پروڈنس یا بین الاقوامی قانون یا دستوری قانون میں وہ اپنے تخصصات سے متعلق فقہی شعبوں میں کسی حد تک واقفیت پیدا کریں۔"[1]

اس نوعیت کے تعلیمی ادارے قائم کرنے سے ہی معاملہ حل نہیں ہو گا، بلکہ اس کو پھر پاکستان میں مؤثر طور پر نافذ کرنے کے لئے ایک بھرپور تحریک کی بھی ضرورت ہے، جیسا کہ ڈاکٹر غازی مزید لکھتے ہیں:

"اس کے لیے ایک ہمہ گیر قانونی اصلاح اور قانونی تعلیم کی ضرورت ہے جو ایک تحریک کے طور پر پورے پاکستان میں عام کی جائے۔ پاکستان میں فقہ کی تعلیم کے نصاب پر از سر نو اور بنیادی طور پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قانون کی تعلیم کے وہ تمام ادارے جو پاکستان میں قانون کی تعلیم دے رہے ہیں، ان کے نصابات پر از سر نو غور کیے جانے کی ضرورت ہے۔"[2]

حاصل یہ ہے کہ پاکستان میں اس مقصد کے لئے نہ صرف جوڈیشل اکیڈمیاں قائم کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ایسی عالمی جوڈیشل ٹریننگ انسٹیٹیوٹس بننے چاہییں جن میں عالم اسلام کے جج حضرات اکٹھے ٹریننگ حاصل کریں تاکہ وہ اپنے اپنے ملکوں کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے استفادہ اور افادہ کی فضا پیدا کریں۔

---

۱ 'علم اُصول فقہ، ایک تعارف': ص ۱۷۵

۲ ایضاً: ص ۱۷۴